اے عشق ترے ہیں کھیل عجب

ڈاکٹر ثمن بلال

وہ کمال ہنر یوں بھی کرتا گیا
زخم دیتا گیا زخم بھرتا گیا
دور اُس کی نگاہوں سے منزل ہوئی
جادۂ عشق میں جو بھی ڈرتا گیا
رات پھولوں پہ شبنم برستی رہی
رنگ پھولوں کے رخ کا نکھرتا گیا

عشق ، محبت ، چاہت ، پیار ایک جذبے کے کتنے اظہار ... یہ جذبہ ہر کسی کے دل میں پنپ سکتا ہے بشرطیکہ دل کا ظرف وسیع اور خلوص کے موتیوں سے مرصع ہو، زیرِ نظر کہانی اسی جذبے کے اتار چڑھاؤ کو بے حد متاثر کن انداز میں قاری کو ایک نئی سوچ سے روشناس کراتے ہوئے بڑھتی ہے۔

عشق کے آفاقی جذبے کو ایک نئے انداز میں بیان کرتی دلکش تحریر

قسط 10

گھر میں شادی کے ہنگاموں اور مہمانوں کی آمد نے نور منزل کے ملازمین سے لے کر گھر کے تمام افراد کو مصروف کر رکھا تھا۔

ڈاکٹر عمر، مناب کو ڈھونڈتے ...... ایشال اور عنایہ کے مشترکہ کمرے کا دروازہ ناک کر کے اندر داخل ہوئے تو ایشال کمرے کی دیوار پر بڑے سائز کی لگی اپنے مرحوم والدین کی تصویر کے سامنے کھڑی تھی۔

"ایکسکیوزمی......" ڈاکٹر عمر نے گلا کھنکھارا...... وہ پلٹی۔

"مناب کہاں ہے کافی دیر سے دکھائی نہیں دے رہی...... مجھے لگا وہ تمہارے ساتھ ہوگی؟"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے تو میں نے اسے نیچے دیکھا تھا...... اینی وے آپ کو کوئی کام ہے تو آپ مجھے بتادیں۔" ایشال نے اپنی آنکھوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے ان سے پوچھا۔

"تم رو رہی ہو؟" وہ متفکرانہ انداز میں آگے بڑھے...... ان کے اس محبت بھرے انداز پر ایشال کی آنکھوں سے مزید آنسو بہنے لگے۔

"ایشو کیا ہوا......؟ تم...... تم کیوں رو رہی ہو؟" وہ پریشانی کے عالم میں اس کے سر پر کھڑے پوچھ رہے تھے۔

ایشال دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپائے رو پڑی۔

"کم آن ایشال...... کچھ بتاؤ تو سہی۔" ڈاکٹر عمر نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر چہرے سے ہٹائے۔

"مجھے مما اور بابا کی بات بہت یاد آرہی ہے......" اس کی آنکھوں سے ایک بار پھر آنسو بہنے لگے...... اس کے ہاتھ اب بھی ڈاکٹر عمر کے ہاتھوں میں تھے۔

"والدین کی یاد آنا یا انہیں یاد کر کے رونا...... یہ ایک فطری سا عمل ہے مگر جب تم ماموں اور ممانی کی مغفرت کے لیے اللہ کا کلام پڑھ کر اللہ سے دعا کروگی تو ان کی روح کو بہت خوشی محسوس ہوگی۔" ڈاکٹر عمر نے دھیرے سے اسے سمجھاتے ہوئے اس کے کندھے پر تھپکی دی۔

"چلو شاباش...... تم ایک بہادر لڑکی ہو، اب بزدلوں کی طرح رونا بند کرو...... اور دیکھو تم نے اپنا سارا میک اپ خراب کرلیا ہے......" ڈاکٹر عمر نے مسکراتے ہوئے قریب ہی ٹیبل پر رکھے ٹشو کے ڈبے سے ٹشو نکال کر ایشال کی طرف بڑھائے۔

"کیا واقعی میرا میک اپ خراب ہوگیا ہے؟" وہ پریشانی کے عالم میں جلدی سے ان کے ہاتھ سے ٹشو لیتے ہوئے پوچھنے لگی۔ ڈاکٹر عمر اس کے فکر پہ مسکرادیے کہاں وہ روئے جارہی تھی اور اب میک اپ کا سن کر پریشان ہو رہی تھی۔

"نہیں، اتنا زیادہ بھی نہیں ہوا...... بس تمہارا کاجل تھوڑا پھیل گیا ہے۔" ڈاکٹر عمر نے اس کے ہاتھ سے ٹشو لے کر اس کے آنکھ کے نیچے پھیلے کاجل کو صاف کیا...... مگر اگلے ہی لمحے انہیں نہ جانے کیا احساس ہوا کہ انہوں نے ٹشو ایشال کو پکڑا دیا تھا...... ایشال پہلے تو حیران ہوئی پھر مسکرا کر اس نے ٹشو پکڑ لیا تھا۔

"اُف خدایا...... یہ...... یہ مجھے کیا ہو رہا ہے میں اس کی آنکھ کا پھیلا ہوا کاجل صاف کر رہا تھا...... میں خود؟ یہ کیسی اسٹوپڈ حرکت تھی میری؟"

"عمر بھائی آپ بہت اچھے ہیں...... میں نے آپ کو ہمیشہ غلط سمجھا۔" ایشال اب آئینے کے سامنے کھڑی اپنا کاجل صاف کرتے ہوئے بولی تو ڈاکٹر عمر مسکرادیے...... جیسے خود کو زبردستی مسکرانے پر مجبور کر رہے ہوں۔

"جن لوگوں کو ہم اکثر پتھر دل کہتے ہیں یا سمجھتے ہیں ایکچو ئیلی وہ اندر سے موم کی طرح ہوتے ہیں...... جلد پگھل جانے والے...... پگھل جانے والے اینی ویز اب رونا مت...... you look good when you are happy" ڈاکٹر عمر نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی ایک لمحے کے لیے مسکرائے اور پھر دروازے کی جانب بڑھ گئے۔

"آپ کو کافی پینی تھی؟" عقب سے ایشال نے پوچھا تو وہ دروازے میں رک کر پلٹے۔
"How do you know" وہ حیرانی سے پوچھنے لگے۔ ایشال مسکراتی ہوئی ان کے قریب آئی۔
"میں آپ کو اچھی طرح سے جان گئی ہوں۔ جب آپ مناب کو اس طرح ڈھونڈتے ہیں تو آپ کو اس کے ہاتھ کی کافی ہی پینی ہوتی ہے۔"
"ہاں، مجھے واقعی کافی ہی پینی تھی۔" پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ ایشال کی پیش گوئی پر مسکرا دیے..... بلیک پینٹ کوٹ میں چھ فٹ سے نکلتے قد میں ان کی ڈیسنٹ سی شخصیت میں عجیب سا سحر محسوس ہو رہا تھا ایشال کو..... وہ ان سے آٹھ سال چھوٹی تھی۔ ڈاکٹر عمر کبھی اس کی گڈ بک میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ یک دم نہ جانے ایسا کون سا سحر پھونکا تھا انہوں نے کہ وہ خود بخود ان کے قریب سے قریب ہو رہی تھی۔ وہ لاشعوری طور پر خود کو اس سانچے میں ڈھالتی جا رہی تھی جو انہیں پسند تھا۔ پہلے وہ ان کی شخصیت سے دور بھاگتی تھی اب ان کے آس پاس ان کے قریب رہنا اسے اچھا لگتا تھا..... اسے جن چیزوں سے نفرت تھی اب ڈاکٹر عمر کے لیے وہ انہی چیزوں میں دلچسپی لے رہی تھی۔
"او کے، میں آپ کے لیے اچھی سی کافی بنواتی ہوں۔" ایشال ان کے قریب سے گزرتی اپنے کندھے سے اترتے دوپٹے کو درست کرتی باہر نکلنے لگی تو دروازے کے ہینڈل میں اس کے دوپٹے کا پلو پھنس گیا ڈاکٹر عمر نے آگے بڑھ کر ہینڈل میں پھنسا اس کے دوپٹے کا پلو نکالا، ان کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ رقصاں تھی۔
"میڈیکل کی فیلڈ کے ساتھ ساتھ آج کل ایک نئی ڈیوٹی نبھانی پڑ رہی ہے مجھے۔" سینے پر بازو لپیٹے وہ شریر انداز میں بولے۔
"کیسی ڈیوٹی.....؟" رخ موڑ کر دروازے میں کھڑی ایشال حیران ہوئی۔
"تمہارے اِدھر اُدھر پھنسے دوپٹے کے پلو چھڑانے کی ڈیوٹی....." ڈاکٹر عمر کا انداز کچھ ایسا تھا کہ وہ جھینپ کر باہر نکل گئی۔ اس کے عارض گلگوں اور دل تیزی سے دھڑک رہا تھا عجلت میں سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ اوپر آتی علینہ سے ٹکرائی۔
"یار لگتا ہے تمہاری بریکس فیل ہو گئی ہیں۔" علینہ نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا ایشال کے چہرے پر بڑی دلفریب سی مسکراہٹ تھی۔ اس کی نظر بے ساختہ سیڑھیوں کے اوپر راہداری میں پڑی جہاں ڈاکٹر عمر کھڑے تھے اور وہ سیڑھیوں کی جانب ہی آ رہے تھے۔
"آئی ایم شیور..... تمہیں محبت ہو گئی ہے۔" علینہ نے دعویٰ کیا۔
"شٹ اپ علینہ..... ہر وقت فضول بکواس کرتی ہو تم۔" ایشال نے مصنوعی خفگی سے اسے ڈپٹا۔
"تمہیں ہنڈرڈ پرسنٹ اپنی ناپسندیدہ شخصیت سے محبت ہو گئی ہے۔ تم نہ مانو تو وہ الگ بات ہے۔" علینہ اس کے ساتھ کھڑی ہنوز دعوے پہ دعوے کر رہی تھی۔
"اسٹاپ اٹ علینہ، آہستہ بولو اگر کسی نے سن لیا تو.....؟ بی لیو می ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" ایشال نے بلش ہوتے ہوئے اس کے دعوے کو رد کیا..... اور وہ دونوں چلتی ہوئی کچن کی طرف آ گئیں۔
"تمہاری بچپن کی دوست ہوں میں، جا کر آئینے میں اپنی شکل دیکھو تمہارے چہرے پر صاف لکھا ہے۔" وہ اپنی رائے پر مصر تھی۔
"تمہیں عمر بھائی جیسے ریچڈ، کھڑوس اور ہلاکو خان جیسے شخص سے محبت ہو گئی ہے۔" علینہ اب بھی اپنی بات پر اور دعوے پہ قائم تھی۔
"تمہیں تو بس فضول میں بکواس کرنے کی عادت ہے۔" ایشال نے خفگی سے اسے گھورا۔
"بکواس کرنے کی نہیں، سچ بولنے کی عادت ہے مجھے۔" علینہ مسکرائی۔

ایشال نے علینہ کے دعوے کو تو جھٹلا دیا تھا مگر اس کا دل ڈاکٹر عمر کی ذات تک رسائی کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔

☆☆☆

بلیک لیموزین پی سی کی ویلوٹ پارکنگ میں رکی تو باوردی دربان نے آگے بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھولا۔
بلیک ویلوٹ کی ڈیزائنر شیروانی پر ریڈ کلاہ اور کامدار کھسا پہنے زاروں چوہدری بڑی شان و شوکت سے باہر نکلا......
فوٹو گرافر اور مووی میکرز دھڑا دھڑ تصویریں لے رہے تھے...... داؤد چوہدری اور سمیرا بیگم کے ہمراہ مسکراتا ہوا زاروں چوہدری ہال کی جانب بڑھا...... جہاں چھڑی کے سہارے کھڑی نور بیگم، ساجدہ بیگم، ڈاکٹر عمر، اقصیٰ اور جنید کے ساتھ، ساتھ دیگر مہمانوں نے برات میں موجود تمام مہمانوں کو ویلکم کہا تھا...... ریڈ کارپٹ پر چلتے ہوئے زاروں، سمیرا بیگم کے ساتھ اسٹیج تک آیا...... خوب صورت ڈیکوریٹ ہال اور رومینٹک میوزک نے ماحول کو بہت خوب صورت بنا رکھا تھا......
زاروں اسٹیج پر آکر بیٹھ گیا تو تھوڑی دیر کے بعد ریڈ کلر کے نہایت خوب صورت کامدار اور قیمتی غرارے پر سلیولیس شرٹ پہنے اسٹائلش انداز میں دوپٹا لیے ماتھا پٹی لگائے، گلے اور کانوں میں قیمتی زیورات پہنے حنا یہ ایک ہاتھ میں جوڑے کی میچنگ کا خوب صورت پاؤچ پکڑے دوسرا ہاتھ داؤد چوہدری کے بازو میں ڈالے تمکنت سے ریڈ کارپٹ پر چلتی ہوئی ہال میں داخل ہوئی...... جب وہ اسٹیج کے قریب آئی تو زاروں نے اٹھ کر اس کی جانب اپنا ہاتھ بڑھایا تھا جسے تھام کر حنایہ مسکراتی ہوئی اسٹیج پر آگئی تھی...... زاروں کے چہرے پہ گہری مسکراہٹ تھی وہ اس کا ہاتھ تھام کر صوفے کی جانب لے آیا تھا...... جب وہ دونوں ایک ساتھ صوفے پر بیٹھ گئے تو داؤد چوہدری اسٹیج کے ساتھ بنے خوب صورت ڈائس پر آکر مائیک پکڑ کر شستہ انگریزی میں تمام مہمانوں کی آمد پر ان کا شکریہ ادا کرنے لگے...... نکاح چونکہ صبح ہی ہو چکا تھا...... سو ہال میں موجود تمام وی آئی پی شخصیات کو نہایت شاندار ڈنر دیا گیا۔
زاروں اور حنایہ اسٹیج پر ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے فوٹو گرافرز کو مختلف پوز دے رہے تھے۔ دونوں کے مشترکہ دوست احباب، ان کے سرکل کی فیملیز وغیرہ کھانے کے بعد اسٹیج پر آکر دونوں کو مبارک بادیں اور دعائیں دے رہے تھے۔
اسٹیج کے قریب کھڑی ایشال اور علینہ اپنے، اپنے موبائلز سے حنایہ اور زاروں کی تصویریں بنا رہی تھیں۔
”بھینی کتنی خوب صورت لگ رہی ہے ناں......“ ایشال نے اپنے ساتھ کھڑی علینہ سے کہا۔
”تم بھی تو دوسروں کے ہوش اڑانے کے لیے بہت حسین لگ رہی ہو۔“ ان دونوں کے عقب میں نہ جانے کب ارسل آکر کھڑا ہو گیا تھا۔
علینہ کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی...... جبکہ ایشال کو اس کی تعریف پر کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی۔
”تم ہمیشہ بوتل کے جن کی طرح ہی نازل ہوتے ہو۔“ ایشال کی بات پر وہ کھسیا کر مسکرانے لگا۔
”اچھے خاصے ہینڈسم بندے کو تم کن القابات سے نواز رہی ہو...... علینہ تم ہی اپنی فرینڈ کو کچھ سمجھاؤ ناں...... تمہاری فرینڈ میری محبت کو بالکل بھی سیریس نہیں لے رہی ہے۔“ ارسل کی ریکوئسٹ پہ علینہ نے کندھے اچکائے۔
”سوری، اس معاملے میں، میں تمہاری کوئی ہیلپ نہیں کر سکتی...... تمہیں خود اس گمبھیر معاملے کو ہینڈل کرنا پڑے گا۔“
”او کے تو صرف اپنی فرینڈ سے یہ پوچھ کر بتا دو کہ اپنی محبت کا یقین دلانے کے لیے مجھے ایسا کیا کرنا ہوگا کہ ہمارے بیچ یہ فاصلے کی دیوار گر جائے اور تمہاری فرینڈ کو میری محبت پر یقین آجائے۔“ وہ امید و آس بھرے انداز میں ان دونوں کو ہی دیکھ رہا تھا اس سے پہلے کہ ایشال، ارسل کی بات کا جواب دیتی مناب عجلت میں ان کے پاس آئی۔
”ایکسکیوز می......! یار تم دونوں یہاں کیا کر رہی ہو؟ دودھ پلائی کی رسم بھی تو کرنی ہے؟“
”کیا ابھی کرنی ہے؟“ ایشال کے پوچھنے پر مناب نے اثبات میں سر ہلایا۔
”ممانی کہہ رہی ہیں رسموں میں بہت ٹائم ویسٹ ہوتا ہے...... تو ظاہر ہے ابھی شروع کرتے ہیں۔“

کچھ مجازی خدا کے بارے میں

عورت، مرد کا اس دنیا کا سب سے پہلا رشتہ خاوند، بیوی کا ہی ہے اور پھر طوفانِ نوحؑ سے اس دنیا کے ہر جاندار کا صرف یہی رشتہ بچا تھا۔ مرد دنیا میں دو بار یتیم ہوتا ہے ایک بار جب اس کی ماں فوت ہوتی ہے اور دوسری بار اس وقت جب اس کے بچوں کی ماں فوت ہوتی ہے۔ خاوند پالنا اس قدر مشکل ہے کہ پوری دنیا میں ایک عورت بھی ایسی نہ ہوگی جس کے ایک وقت میں ایک سے زیادہ خاوند ہوں۔ جبکہ ہمارے یہاں تو ایک خاوند کو چار، چار بیویاں مل کر پالتی ہیں اور یہی نہیں خاوند پالنا وہ کام ہے کہ صرف یہی ایک کام عورت کرلے تو اسے جنت مل سکتی ہے۔ خاوند خود کو مجازی خدا سمجھتا ہے اسی لیے بیوی اس کی خاطر دن، رات ایک بھی کر دے وہ پھر بھی کبھی "شکریہ" نہیں کہتا کیونکہ خدا چاہے مجازی ہی کیوں نہ وہ یہ لفظ نہیں کہہ سکتا۔

بچے پالنے اور خاوند پالنے میں یہ فرق ہے کہ بچوں کو سمجھانا مشکل ہوتا ہے اور خاوند کو سمجھنا...... اچھا خاوند وہ ہوتا ہے جو وہ کہے جو بیوی سننا چاہتی ہے اور اچھی بیوی وہ ہوتی ہے جو وہ سنے جو خاوند نہیں کہنا چاہتا...... خاوند کی

عنایہ کی بات پر ایشال اور علینہ اس کے ساتھ ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئیں۔ دودھ پلائی اور جوتا چھپائی کی رسم میں خوب ہنسی مذاق ہوگیا تھا زاروون نے لڑکیوں کو منہ مانگے نیگ دیے تھے رخصتی پر عنایہ جب ایشال کے گلے ملی تو بے اختیار دونوں بہنوں کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ ولیمے پہ تمام مرد حضرات نے بھی تھری پیس سوٹ پہن رکھے تھے اور سب نے کوٹ کی فرنٹ پاکٹ پر ریڈ گلاب کی کلی لگا رکھی تھی۔

آج ایشال نے نہایت خوب صورت بلیک گاؤن اسٹائل کا ڈریس پہن رکھا تھا۔ کھلے بالوں میں اس کا چاند سا چہرہ...... اور حسین سراپا ڈاکٹر عمر کی نگاہوں کو بار بار اسے دیکھنے پر مجبور کر رہا تھا۔

نہ جانے یہ لڑکی کب، کیوں، اور کیسے ان کی ڈانٹ کھاتے، کھاتے اتنی اہمیت اختیار کرگئی تھی......؟ کب اس نے چپکے سے کسی ماہر چور کی طرح اُن کا دل چرا لیا تھا؟ کب دھیرے سے اس احمق لڑکی نے ان کے ساتھ کا کوئی لمحہ اپنے نام کرلیا تھا......؟ کب اس نے ان کی آنکھوں سے شکستہ خوابوں کو چھین کر ان کی آنکھوں کو حسین سپنوں کے راستے دکھا دیے تھے؟ ان کا دل تو ایک صحرا کی طرح تھا...... نہ جانے وہ لڑکی کب ساون بن کر ان کے بنجر دل کو شاداب کرگئی تھی۔ ان کے دل کی خواہشیں تو اِک مدت سے سوئی ہوئی تھیں...... پھر کب اور کیسے اس لڑکی نے ان خواہشوں کو بیدار کرکے پھر سے انہیں بولنا اور خوش رہنا سکھا دیا تھا۔ یہ وہ ساری باتیں تھیں جو پچھلے دو دن سے ڈاکٹر عمر خود سے پوچھ، پوچھ کر تھک گئے تھے...... انہیں اپنے کسی سوال کا جواب نہیں مل رہا تھا۔ بس دل تھا کہ ایشال کی جانب کھنچا جا رہا تھا...... وہ جتنا اپنے دل کی خواہشوں کو نظر انداز کرتے وہ اتنا ہی انہیں ضدی بچے کی طرح تنگ کرنے لگتا...... ان سے الجھنے لگتا، ان سے لڑنے لگتا، ان کا اپنا ہی دل ان سے بغاوت پر اتر آیا تھا...... چند دن میں اتنا ضدی اور خودسر ہوگیا تھا کہ ایشال اور ان کے بیچ سن وسال کے نمایاں فرق سے بھی اس محبت کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ بس وہ خوشبو بن کر چپکے سے ان کے دل میں رچ بس گئی تھی۔

ولیمے والے دن زاروون نے بیش قیمت اسٹائلش تھری پیس سوٹ پہن رکھا تھا جبکہ عنایہ نے سلور گرے کلر کا نہایت قیمتی اور خوب صورت شیل فراک پہن رکھا تھا گلے میں ڈائمنڈ کا سیٹ پہنے...... ہاتھوں میں وائٹ گلابوں کا گلدستہ پکڑے زاروون اور عنایہ رومینٹک دھن پر ایک دوسرے کی بانہوں میں بانہیں ڈالے ریڈ کارپٹ پر چلتے ہوئے لبوں پر دلفریب سی مسکراہٹ سجائے ہال کے درمیان بنی روش سے گزرتے دائیں، بائیں پہلو پہ تمام مہمانوں کو اسمائل پاس کرتے ان کو ہاتھ ہلاتے اسٹیج کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ایک بات میں کئی مطالب اور بیوی کی ایک بات میں کئی مطالبات ہوتے ہیں۔ بیوی تو جوانی میں آیا، ذرا عمر ڈھلے تو ساتھی اور بڑھاپے میں خاوند کی نرس ہوتی ہے۔

دنیا کی کوئی بیوی اپنے خاوند سے عقلمند نہیں ہوتی کیونکہ اگر وہ عقلمند ہوتی تو بے وقوف سے شادی کیوں کرتی۔ خاوند اچھا عاشق بھی ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ بیوی کو پتا نہ چلے۔ گھر میں بیوی کا زیادہ وقت فرنیچر اور خاوند کو جھاڑنے پونچھنے اور انہیں ان کے اصلی مقام پر رکھنے میں گزر جاتا ہے۔ شادی سے پہلے عورت کے پاس گھر گرہستی کا تجربہ ہوتا ہے اور مرد کے پاس مہینے کی تنخواہ...... جبکہ شادی کے بعد عورت کے پاس مہینے کی تنخواہ ہوتی ہے اور خاوند کے پاس تجربہ۔ خاوند چاہتا ہے اس کی بیوی وہ نہ کرے، جو وہ چاہتا ہے بلکہ وہ کرے جو ہمسائے کی بیوی کرتی ہے۔

تحریر: ڈاکٹر یونس بٹ

پسند: نگہت زیدی، بہارہ کہو

زاروون نے پہلے اسٹیج پر کھڑے ہو کر عنایہ کی جانب ہاتھ بڑھایا تھا۔ عنایہ اس کا ہاتھ تھام کر اسٹیج پر آ گئی تھی، اسٹیج پر چڑھتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا گلدستہ عنایہ نے اپنے عقب میں اچھال دیا تھا جسے پکڑنے کے لیے اسٹیج پر بہت سی لڑکیاں اکٹھی ہو کر کھڑی تھیں، ہر لڑکی اس گلدستے کو کیچ کرنے کے لیے بے تاب نظر آ رہی تھی مگر مناب نے کمال مہارت سے وہ گلدستہ کیچ کر لیا تھا...... سب لڑکیوں نے ہوٹنگ کی، مناب کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ گلدستہ کیچ کر لینے سے مراد پہلے کیچ کرنے والی لڑکی کی شادی جلد ہی متوقع تھی...... زاروون نے عنایہ کی کمر کے گرد بازو ڈال رکھا تھا اور وہ فوٹو گرافر کو مختلف پوز دے رہے تھے اس کے بعد دونوں نے تیس پاؤنڈ کا کیک کاٹا تھا اور ایک دوسرے کو کھلایا تھا...... نور منزل کے تمام افراد کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے...... جس شادی کا کئی مہینوں سے سب کو شدت سے انتظار تھا آج اس شادی کی تقریب کا آخری دن تھا۔ اگلے دو دن کے بعد زاروون اور عنایہ کو دو مہینے کے لیے ہنی مون ٹور پر یورپ روانہ ہو جانا تھا...... جہاں سب سے پہلے ان کا پڑاؤ پیرس میں ہونا تھا۔

شادی کے ہنگامے ماند پڑے تو سب اپنی، اپنی روٹین میں آنے لگے۔ داؤد چوہدری باقاعدگی سے آفس جانے لگے تھے...... سمیرا بیگم کی بھی اپنی سوشل ایکٹیویٹیز تھیں وہ پھر سے اُن میں مصروف ہو گئی تھیں۔ ایشال ڈاکٹر عمر کے ساتھ اسپتال جا رہی ہے...... معصم اپنے سونگ کی ریکارڈنگ کے سلسلے میں کراچی گیا ہوا تھا، مناب کا لکھا ڈراما سیریل آن ائر ہو گیا تھا اور اسے اپنے ڈرامے کا بہت اچھا رسپانس مل رہا تھا۔ ولی کو پاکستان آنے میں محض ڈیڑھ دو مہینے ہی رہ گئے تھے...... وہ اپنا دوسرا سیریل ولی کے آنے سے پہلے کمپلیٹ کرنا چاہتی تھی سو مناب بھی اپنی دیگر ایکٹی ویٹی ترک کر کے اپنا اسکرپٹ مکمل کر رہی تھی۔

دوسری طرف زاروون اور عنایہ اپنا ہنی مون ٹرپ بھرپور انداز میں انجوائے کر رہے تھے وہ دونوں ایک دوسرے کو پا کر اتنے خوش اور مطمئن تھے کہ انہیں ایسا لگتا جیسے ان کی زندگی حسین رنگوں اور خوشبوؤں سے بھر گئی تھی۔

☆☆☆

سارہ کا بی پی اب اکثر لو رہنے لگا تھا...... اکثر اسے متلی کی کیفیت محسوس ہوتی۔ سارا، سارا دن وہ کچھ نہیں کھاتی پیتی تھی۔ آج بھی اس کے معدے میں درد تھا اور متلی کی کیفیت اسے بار، بار واش روم جانے پر مجبور کر رہی تھی۔ زویا نے اسے سونف، سبز الائچی کے قہوے میں تھوڑا لیموں نچوڑ کر پلایا تو اسے اپنی طبیعت کچھ بہتر ہوتی محسوس ہوئی۔

"گھر کے حالات کچھ بہتر ہوتے ہیں تو میں تمہیں معدے کے اسپیشلسٹ ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گی......

کچھ عرصے سے میں دیکھ رہی ہوں...... تم نہ تو کچھ کھاتی پیتی ہو اس کے باوجود تمہارا دل متلاتا ہے، تمہیں بھوک نہیں لگتی۔" زویا اس کے پاس چارپائی پہ بیٹھی اس کے بال سہلا رہی تھی...... اس کے لہجے میں بہن کے لیے بے پناہ فکر تھی...... جبھی سیما بیگم ہاتھ میں موبائل پکڑے کمرے میں داخل ہوئیں۔

"صبح سے مسلسل گلو کو فون کر رہی ہوں کم بخت نے اپنا نمبر بھی بند کر رکھا ہے۔" سیما بیگم کے انداز میں غصہ اور جھنجلاہٹ تھی۔

"آپ کے لاڈلے کے کرتوتوں نے ابا کی جان لے لی...... اب شاید ہماری باری ہے۔" زویا کے انداز میں گلو کے لیے بے پناہ غصہ تھا...... اب کے وہ گھر سے گیا تھا تو ڈیڑھ مہینے سے اس نے گھر سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا...... چندرہ دن پہلے اس نے ایک شخص کو قاصد بنا کر گھر بھیجا تھا جو انہیں بتا گیا تھا کہ گلو اپنے نام نہاد سیٹھ کے ساتھ کام کے سلسلے میں کراچی گیا ہوا ہے...... سیما بیگم اس سے رابطے کے لیے ہر روز اس کے موبائل پر فون کیا کرتی تھیں مگر اس نے اپنا نمبر ہی بند کر رکھا تھا۔ کبھی کبھی سیما بیگم کو شاکر حسین کی پیش گوئیوں سے بڑا ڈر لگتا تھا...... وقت گزرنے کے ساتھ، ساتھ اب سیما بیگم کو بھی گلو پہ شک ہونے لگا تھا کہ وہ کہیں غلط سرگرمیوں میں ملوث تھا جبھی مہینوں گھر نہ آتا اور ہر مہینے اپنا موبائل نمبر بدل لیتا تھا۔ یہ وہ سارے خدشے تھے جو سیما بیگم کو دن رات ڈستے تھے۔

"اماں آپ خالد بھائی سے کہیں ذرا بجو کو لے کر اب چلے جائیں..... چار مہینے سے انہیں گھر بٹھا کر کھلا رہے ہیں بجائے گھر سے بیوی، بچوں کو لے جانے کے الٹا خالد بھائی بھی پچھلے ڈیڑھ مہینے سے یہاں ڈیرا جما کر بیٹھے ہوئے ہیں۔" زویا کے انداز میں بیزاریت تھی۔

"میں بات کرتی ہوں اس سے...... اب بھی ساتھ والے کمرے میں بیوی، بچوں کے ساتھ بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا ہے۔" سیما بیگم چارپائی سے اٹھیں...... اسی اثنا میں گھر کا دروازہ کسی نے زور، زور سے پیٹنا شروع کر دیا تھا۔

"یا اللہ خیر...... یہ کون اس طرح دروازہ پیٹ رہا ہے؟" سیما بیگم نے پریشانی سے سینے پر ہاتھ رکھا۔

زویا پریشانی کے عالم میں کمرے سے باہر نکلی تو خالد بھی دوسرے کمرے سے باہر نکل آیا۔

"زویا تم رکو میں دیکھتا ہوں۔"

دروازے پہ جو بھی تھا وہ دھڑا دھڑ دروازہ پیٹ رہا تھا۔

"ارے کون ہے اتنا بے صبرا...... دروازہ توڑو گے کیا؟" خالد نے دروازہ کھولا تو سامنے پولیس والے کھڑے تھے۔

"ادھر آ ذرا تجھے بتاتے ہیں۔" پولیس والے نے خالد کو گریبان سے پکڑ کر دروازے کی چوکھٹ سے گھسیٹ کر اپنے مقابل لا کھڑا کیا۔

"گلو کہاں ہے باہر نکالو اسے۔" دوسرا پولیس والا دہاڑا۔

سیما بیگم اور زویا پریشانی کے عالم میں صحن سے دروازے کی اوٹ میں آ کھڑی ہوئی تھیں۔

"ج...... جی...... آپ کیوں پوچھ رہے ہیں جی گلو کے بارے میں؟" خالد بری طرح سے گھبرایا

"اوئے الو کے...... گلو ہمیں چوری، ڈکیتی کی کئی وارداتوں میں مطلوب ہے۔ اس پر کئی پرچے کٹے ہوئے ہیں اور ڈیڑھ مہینے پہلے تو اس نے ایک بینک میں ڈاکا ڈالا ہے...... اور بینک کے گارڈ کو قتل کیا ہے...... جلدی بتا کہاں چھپا ہوا ہے وہ؟"

پولیس والے کے انکشاف پر دروازے کے پیچھے کھڑی سیما بیگم اور زویا کے جسم سے جیسے جان ہی نکل گئی۔

دروازے پر کھڑے خالد کی حالت بھی اس انکشاف پہ پٹھان سے مختلف نہیں تھی۔

"ج..... جی آپ یقین کریں جی..... گگ..... گلو کو تو اس گھر سے گئے دو مہینے ہونے کو آئے ہیں جی..... اس کا تو نمبر تک بند ہے جی..... ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے....." خالد پولیس والوں کو دیکھ کر اور ان کے انکشاف پہ گھگھیا گیا۔

"اوئے تو گلو کا کیا لگتا ہے؟ کیا رشتہ ہے تیرا گلو سے؟" دوسرے پولیس والے نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

"ج..... جی میں بدقسمتی سے گگ..... گلو کا بہنوئی ہوں جی۔"

"سر جی اسے بھی شامل تفتیش کرلیں..... کیا پتا یہ بھی گلو کے ساتھ وارداتیں کرتا ہو۔" کانسٹیبل نے اپنے افسر کو مشورہ دیا۔

"اوئے فیکے کہتا تو ٹھیک ہی ہے تو..... اس کی چھترول ہوئی تو یہ گلو کے ٹھکانے بھی بتادے گا....." دوسرے پولیس والے نے بدمعاشی دکھاتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"نن..... نہیں جی..... میرا گلو سے کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے جی..... آپ مجھ سے قسم لے لیں جی..... میں نے تو زندگی میں ایسا بھیانک کام کبھی نہیں کیا جی..... میری تو قسمت ہی خراب تھی جی..... جو میں اپنے ماں، باپ سے جھگڑ کر یہاں چوروں کے گھر میں آ گیا۔" خالد گھبرا کر پولیس والوں کے آگے ہاتھ جوڑ رہا تھا..... یہ شور شرابا سن کر زارا اور سارہ بھی کمرے سے باہر نکل آئی تھیں۔

"اوئے بندے کا پتر بن کے چل اگے لگ ورنہ گاڑی میں اٹھا کر پھینکوں گا۔" پولیس والا دھاڑا۔

"بھائی صاحب! آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے میرا گلو ایسے غلط کام نہیں کرسکتا....." سیما بیگم ہمت کر کے دروازے کی اوٹ سے بولیں۔

پولیس کی گاڑی دیکھ کر آہستہ آہستہ محلے والے اکٹھے ہو رہے تھے۔

"او بی بی ہر ماں کو اپنا پتر نیک اور پارسا ہی لگتا ہے..... تیرے پتر پہ پرچے کٹے ہوئے ہیں..... ہم تیرے جوائی کو لے کر تھانے جارہے ہیں جب تک تیرا پتر ارقم عرف گلو پکڑا نہیں جاتا تیرا جوائی شامل تفتیش رہے گا۔"

پولیس والے نے بلند آواز میں بولتے ہوئے اطلاع دی تو برآمدے میں کھڑی زارا دوڑ کر دروازے کے پاس آ گئی۔

"اماں خدا کے لیے انہیں روکو..... وہ خالد کو کیوں لے کر جارہے ہیں؟"

"بھائی صاحب.....! ہم عزت دار لوگ ہیں خدا کے لیے ہمارے حال پر رحم کریں اور میرے داماد کو چھوڑ دیں آپ کو یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" سیما بیگم نے روتے ہوئے التجا کی۔

"بس کر بی بی یہ ڈرامے بازیاں..... اب جو بھی گل ہوگی وہ تھانے میں ایس ایچ او کے سامنے ہوگی۔" پولیس والے نے فیصلہ سناتے ہوئے خالد کو گریبان سے پکڑ کر گھسیٹا۔

"خدا کے لیے میرے شوہر کو چھوڑ دیں..... ان کا گلو کی کسی واردات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔" زارا روتی فریاد کرتی دروازے تک آ گئی تھی مگر پولیس والوں نے اس کی ایک نہیں سنی تھی اور خالد کو گاڑی میں بٹھا کر لے گئے تھے۔ محلے کے لوگ چہ مگوئیاں کر رہے تھے۔ سیما بیگم کا پورا جسم بے جان ہوگیا تھا وہ زویا کا ہاتھ تھام کر کمرے تک آئی تھیں..... سارہ برآمدے کی سیڑھیوں پر گم صم انداز میں بیٹھی تھی..... زارا اپنی تینوں بچیوں کو گود میں چھپائے رو رہی تھی، اس کی بچیاں بھی انتہائی خوفزدہ ہوگئی تھیں..... زویا کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے سیما بیگم کو شوہر کی

باتوں کی بازگشت سنائی دے رہی تھی...... انہوں نے اپنا سر تھام رکھا تھا اور وہ رو رہی تھیں...... شاکر حسین کے ساتھ اتنے سال ازدواجی زندگی گزارنے کے دوران کبھی ایک معمولی سی بدنامی نے بھی سیما بیگم کا کبھی سامنا نہیں کیا تھا مگر آج شاکر حسین کی تیس سالہ ایمانداری اور شرافت خاک میں مل گئی تھی۔ ان کے اکلوتے بیٹے گلو نے اپنے ایمان اور کردار کو چند آسائشوں اور حرام کی دو نمبر کمائی سے باپ کی برسوں کی کمائی عزت اور نیک نامی کو مٹی میں ملا دیا تھا ایسے میں شاکر حسین کی شرافت کے کارنامے اس کے کرتوتوں کو کیسے چھپا سکتے تھے؟ آج سیما بیگم کو شاکر حسین کی باتیں رہ رہ کر یاد آرہی تھیں وہ سچ ہی کہتے تھے دل کی صفائی صرف حلال سے ہوتی ہے حرام کے کمائے پیسے سے برکت اٹھا کر اس میں بدنامی اور ذلت شامل کر دی جاتی ہے جب یہ پیسہ ختم ہو جاتا ہے تو بدنامی اور ذلت مل کر انسان کو بڑا ذلیل کرتی ہیں۔

شاید ذلت اور بدنامی کا وقت سیما بیگم پر آچکا تھا...... مگر یہ سزا سیما بیگم اور گلو کے ساتھ، ساتھ سب گھر والوں کو بھگتنا تھی۔

گلو کی گرفتاری کے لیے جگہ، جگہ چھاپے مارے جا رہے تھے، گھر میں کئی بار پولیس آچکی تھی، لیڈیز پولیس ان کے گھر کی تلاشی بھی لے چکی تھی۔ گلو کے کرتوتوں کی خبریں رشتے داروں سے لے کر پورے محلے میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھیں۔ اہلِ محلہ نے مکمل طور پر ان کے گھرانے کا بائیکاٹ کر دیا تھا...... گلو کے ساتھ، ساتھ شاکر حسین کا پورا گھرانا جیسے مجرم بن گیا تھا۔ خالد کو پولیس والوں نے تھانے میں بند کر رکھا تھا۔

بالآخر ایک ہفتے کے بعد گلو کو شیخوپورہ سے گرفتار کر لیا گیا...... ان کے گینگ کا سرغنہ ٹیپو اور اس کا ایک اور ساتھی راکی فرار ہو گئے تھے اور گلو کو پولیس نے اپنی حراست میں لے لیا تھا...... سیما بیگم تو زمانے بھر کی بدنامی سمیٹ کر بستر کو جا لگیں۔ زارا کو بیٹے کی خوشی ملی تھی تو وہ بھی ادھوری...... اس کے بھائی کے ساتھ اس کا بے گناہ شوہر بھی تھانے میں بند تھا۔ شاکر حسین کی موت اور ان کے بعد بدنامی کے اس طوفان نے اس گھرانے کے مکینوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ پے در پے غموں نے زویا کے دماغ کو ماؤف کر دیا تھا...... سارہ نہ زندوں میں شامل تھی نہ مردوں میں...... ایک درندہ نما عاشق آئے دن اس کی عزت کی دھجیاں اڑاتا رہتا...... آج کل جو اس کی حالت ہو رہی تھی، ایک انجانا سا خوف سارہ کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا خطرے کی گھنٹیاں اسے ہر وقت اپنے آس پاس سنائی دینے لگیں۔ سارہ جس برائی اور گناہوں کی دلدل میں دھنسی ہوئی تھی وہاں سے اس کا نکلنا ناممکن ہو چکا تھا...... زندگی نے اسے ایک بند گلی میں لا کھڑا کیا تھا...... پریشانیوں کے ساتھ، ساتھ ایک بار پھر گھر میں غربت ڈیرے جمانے لگی تھی۔ سب نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا...... صرف ایک خضر ہی تھا جو ان کو تسلیاں دینے باقاعدگی سے ان کے گھر آیا کرتا تھا۔ اب بھی وہ آفس سے سیدھا ان کے گھر ہی آیا تھا اس نے اپنی کھٹیچر سی بائیک صحن میں کھڑی کی اور بائیک پہ لٹکایا شاپر اتار کر صحن میں چارپائی پر پریشان بیٹھی زویا کے پاس لے آیا۔ خضر کی بائیک کی آواز سن کر زارا کی بچیاں دوڑتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی تھیں۔ شاپر میں کھانے والی اشیاء دیکھ کر بے صبری سے وہ شاپر جھپٹ کر کمرے میں واپس بھاگ گئیں۔

”خضر مجھے لگتا ہے میرا نروس بریک ڈاؤن ہو جائے گا......“ زویا کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اس کے لہجے میں بے پناہ دکھ اور مایوسی تھی۔

”اللہ نہ کرے تمہیں کچھ ہو...... انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا زویا...... تم فکر مت کرو۔“ خضر نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے یقیناً اسے جھوٹی تسلی دی تھی۔

”خضر تمہیں پتا ہے بہت سی پریشانیاں اور باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے جواب میں ہم کہتے ہیں سب ٹھیک

ہو جائے گا۔ حالانکہ سب کچھ پہلے کی طرح بالکل ٹھیک نہیں ہوتا۔"

"زویا پلیز اللہ پر بھروسا رکھو۔"

"مجھے اللہ پر بھروسا ہے خضر مگر خود پر بھروسا ختم ہو گیا ہے...... اور پلیز مجھے جھوٹی تسلیاں مت دیا کرو...... میں جانتی ہوں ایک بہت بھیانک طوفان ہمیں گھیر چکا ہے، اب کچھ بھی ٹھیک نہیں ہوگا...... گلو گرفتار ہو چکا ہے، پتا نہیں اسے کتنی سزا ہوگی؟ گھر کے حالات روز بروز خراب ہو رہے ہیں، اماں اس غم سے بیمار پڑ کر بستر کو جا لگی ہیں...... مجھے اسکول والوں نے نوکری سے نکال دیا ہے۔ محلے والے اب اپنے بچوں کو ہم سے ٹیوشن پڑھانا گوارا نہیں کرتے۔" زویا رو رہی تھی اس کے لہجے میں بے پناہ تھکن تھی۔ جیسے صدیوں کی مسافت طے کر کے آئی ہو۔ اب کے خضر اسے جھوٹی تسلی بھی نہیں دے سکا تھا کیونکہ وہ جو کہہ رہی تھی بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی۔

"خضر پلیز...... مجھے کہیں جاب لگوا دو...... تاکہ گھر میں فاقے تو نہ پڑیں۔" وہ سسک کر بولی۔

"زویا میں نے بہت عرصے سے اپنے آفس میں بات کر رکھی ہے، وہاں فی الحال کوئی سیٹ خالی نہیں ہے۔ میں نے اپنے کئی دوستوں سے تمہاری جاب کے لیے ان کے اداروں میں کسی خالی سیٹ کے حوالے سے بات کر رکھی ہے۔ میں تمہاری جاب کے حوالے سے بھرپور کوشش کر رہا ہوں...... مگر تمہیں تو ملک کے حالات کا پتا ہے یہاں تو ایم بی اے والے نوکریوں کے لیے دھکے کھا رہے ہیں اور تم نے صرف بی اے کیا ہوا ہے۔" خضر دھیمے انداز میں اسے تفصیل بتا رہا تھا۔

"بس ابا کی بیماری اور گھر کے حالات اور پھر اسکول کی جاب نے اتنی فرصت بھی نہیں دی کہ ایم اے ہی کر لیتی......" اس کے انداز میں از حد افسوس تھا۔ "ہمارے طبقے کے لوگ اپنی خواہشیں مار، مار کر ایک دن چپکے سے مر جاتے ہیں۔" خضر نے ایک لمحے کے لیے پریشانیوں اور مایوسی میں گھری اس لڑکی کو دیکھا جس کی آنکھوں میں سوائے دکھوں کے اور کوئی چیز دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس کے چہرے پر مایوسی کے اندھیرے رقم تھے...... اس کے لہجے میں دکھوں کی داستانیں بول رہی تھیں۔

"تم گلو سے ملے؟"

"ہاں، میں کل تھانے گیا تھا۔"

"کیسا تھا وہ نامراد......؟"

"بہت رو رہا تھا اور مجھ سے بار، بار اس کیس سے چھٹکارا دلانے کی التجائیں کر رہا تھا...... وہ تم سے اور ماسی سے ملنے کی التجا کر رہا تھا...... وہ بہت برے حال میں ہے پولیس والوں نے بہت مار پیٹ کی ہے اس کی۔" خضر کی اطلاع پہ زویا کی آنکھوں سے پٹ، پٹ آنسو گرنے لگے تھے۔

"اس کے کیے کی سزا ہم سب کو بھگتنی پڑ رہی ہے......" زویا نے اپنے آنسو صاف کیے۔

"زویا پلیز میری بات کو کوئی غلط رنگ مت دینا مگر یہ سچ ہے کہ گلو کا اس کیس سے چھٹکارا پانا بہت مشکل ہے۔ کل میری ایس ایچ او سے تفصیلی بات ہوئی ہے گلو نے اقرارِ جرم بھی کر لیا ہے۔"

"خضر کوئی تو راستہ ہوگا؟ اماں نے رو، رو کر خود کو بیمار کر لیا ہے روز بروز ان کی صحت گرتی جا رہی ہے...... باپ کی شفقت کے بعد اب ہم ماں کی ممتا سے محروم ہونا نہیں چاہتے......" زویا ایک بار پھر رونے لگی۔

"ایک راستہ ہے جو گلو کی رہائی کا باعث بن سکتا ہے مگر مجھے نہیں لگتا کہ ہم ایس ایچ او کی ڈیمانڈ پوری کر سکیں گے۔" خضر کے انداز میں بھی مایوسی تھی۔

"کیسی ڈیمانڈ......؟" زویا نے حیرت سے خضر کو دیکھا۔

''ایس ایچ او نے گلو کو اس کیس سے چھڑانے کے لیے تین لاکھ رشوت مانگی ہے۔'' خضر کے انکشاف پہ زویا کی آنکھیں حیرت اور دکھ سے پھیل گئیں۔

''تین لاکھ......؟ یہ تو بہت بڑی رقم ہے۔''

''گلو کے جرائم بھی تو بہت بڑے ہیں...... بینک ڈکیتی کے دوران گارڈ کو بھی قتل کیا ہے گلو اور اس کے دوستوں نے۔'' خضر نے دھیرے سے کہا۔ ''اچھا اب میں چلتا ہوں۔ کافی دیر ہو گئی ہے۔'' خضر چارپائی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ''امی میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔''

''پھپو کیسی ہیں؟ اتنے دنوں سے انہوں نے چکر نہیں لگایا؟'' زویا کے استفسار پر وہ سر جھکا گیا تھا۔

''امی ٹھیک نہیں ہیں۔ انہیں موسمی بخار ہو رہا ہے۔ شاید اسی لیے وہ یہاں نہیں آسکیں۔'' خضر نے زویا سے نظریں چراتے ہوئے جھوٹ بولا۔ وہ زویا کو کیسے بتاتا کہ اس کی ماں نے اسے یہاں اس گھر میں آنے سے سختی سے منع کر رکھا ہے اب بھی وہ اپنی ماں سے چوری چھپے یہاں آیا تھا۔

''ٹھیک ہے تم پھپو کو میرا سلام دینا...... اور کل ضرور آنا اماں کو اور مجھے گلو سے ملوالانا......'' زویا کی بات پر وہ فقط سر ہلا کر اپنی بائیک کی طرف بڑھ گیا۔ سورج غروب ہونے میں فقط تھوڑی ہی دیر باقی تھی سارہ...... زویا سے حنا کے گھر تک جانے کا کہہ کر دوپہر سے گئی ہوئی تھی اور ابھی تک نہیں لوٹی تھی۔

☆☆☆

آج سارہ نے اسجد کو فون کر کے خود اس سے ملنے کی درخواست کی تھی اور وہ خوشی سے دوڑا چلا آیا تھا کیونکہ ہمیشہ اسجد ہی اسے دو چار بار فون کرتا تھا، اسے بدنام کرنے کی دھمکیاں دیتا تو وہ ڈرتے، ڈرتے اس کے پاس چلی آتی مگر آج جب سارہ نے اس سے خود ارجنٹ ملنے کی درخواست کی تو وہ بہت خوش ہوا تھا اور وہ سارہ کو اپنے دوست کے خالی فلیٹ میں لے آیا تھا۔

''لگتا ہے میری جان کو آج میری بہت یاد آ رہی تھی۔'' اسجد نے مخمور سے لہجے میں اپنے ساتھ بیٹھی سارہ کے گال چھوتے ہوئے کہا تو سارہ کا بے اختیار جی چاہا کہ اسے جان کہنے والے کو وہ جان سے ہی مار دے۔ جس نے اسے ایک طوائف بنا دیا تھا۔

''آخر تم مجھے کب تک ایک ٹشو پیپر کی طرح استعمال کرتے رہو گے، خدا کے لیے میری جان چھوڑ دو یا مجھے جان سے ہی مار دو۔'' سارہ نے روتے ہوئے اسجد کے آگے ہاتھ جوڑے۔

اسجد کے ایک ہاتھ میں مشروب سے بھرا گلاس تھا اور اپنا دوسرا بازو اس نے سارہ کے کندھے پہ پھیلاتے ہوئے اسے خود سے قریب کر لیا تھا۔

''جب تک میرا دل تم سے بھر نہیں جاتا، میں ایسا نہیں کر سکتا...... تمہیں ایک بات بتاؤں؟ تم میری زندگی میں آنے والی سیکڑوں، لڑکیوں میں سے وہ واحد لڑکی ہو جس سے بار، بار ملنے کے باوجود میں ابھی تک بور نہیں ہوا...... ورنہ دو چار ملاقاتوں کے بعد لڑکیاں میرے دل سے اتر جاتی ہیں...... اور میں انہیں کام پر لگا دیتا ہوں...... یعنی آسان لفظوں میں...... وہ مجھے کما کر دیتی ہیں۔'' گلاس منہ سے لگانے کے بعد اس نے سارہ کی طرف رخ موڑ لیا۔ ''مگر تم میں نہ جانے ایسا کیا نشہ ہے کہ اپنے علاوہ تمہیں کسی اور کے پاس بھیجنے کو دل ہی نہیں چاہتا...... کم بخت یہ دل چاہتا ہے۔ تمہیں بار، بار دیکھنے کو تمہیں اپنے پاس بلانے کو......'' اسجد نے سارہ کے کان کے قریب آتے ہوئے سرگوشی کی...... سارہ کا جی چاہا کہ وہ کوئی چیز اٹھا کر اسجد کے سر پر دے مارے...... مگر فی الحال وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔

''اسجد کچھ دنوں سے میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے پلیز...... کچھ کرو اور مجھے کسی لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے چلو...... مجھے اپنے چاروں طرف خطرے کی گھنٹیاں سنائی دے رہی ہیں...... تمہیں خدا کا واسطہ میری مدد کرو......''

سارہ اپنے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ، پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

اسجد اسے تھوڑی دیر دیکھتا رہا اور پھر اس نے فون پر کسی سے بات کی اور بات کرنے کے بعد اس نے سارہ کو اپنے ساتھ چلنے کو کہا سارہ چپ چاپ چلتی ہوئی اس کے پیچھے فلیٹ سے نکل کر گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد اسجد اسے لے کر کسی لیڈی ڈاکٹر کے پرائیویٹ کلینک میں موجود تھا جہاں اس کے دوست کی محبوبہ، نرس کے طور پر جاب کر رہی تھی۔ نرس نے سارہ کو سمجھا دیا تھا کہ وہ لیڈی ڈاکٹر کے سامنے خود کو شادی شدہ ظاہر کرے...... لیڈی ڈاکٹر نے اس کا مکمل چیک اپ کیا اور اسے مبارک باد دی۔

لیڈی ڈاکٹر کی اطلاع پر اس کا سر چکرانے لگا اسے جس بات کا ڈر تھا وہ بات سچ ثابت ہو گئی تھی۔ لیڈی ڈاکٹر نے ایک لمبا سا پرچہ لکھ کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا اور ساتھ ہی اچھا کھانے پینے کی ہدایت کی تھی اور وہ بے جان وجود کے ساتھ اٹھ کر باہر آ گئی تھی۔ نرس نے باہر آ کر جب ڈاکٹر کی باتوں سے اسجد کو آگاہ کیا تو وہ یہ سب سن کر اس مصیبت سے جان چھڑوانے کی بات اسی نرس سے کرنے لگا۔

''کیا ہوا؟''

''اگر اس قصے کو ختم کروایا جائے تو......؟ کیا آپ اس سلسلے میں ہماری کوئی مدد کر سکتی ہیں؟''

''یہ بہت مشکل ہے کوئی ڈاکٹر نہیں مانے گی، ہاں کوئی دائی یا تجربے کار نرس شاید مل جائے ویسے یہ بہت مشکل کام ہے کافی رقم خرچ ہو سکتی ہے۔''

''ٹھیک ہے، میں فون پہ آپ سے رابطہ کر کے بتا دوں گا......'' اسجد اسے لے کر گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

واپسی پر اسجد خاموشی سے گاڑی چلا رہا تھا اور سارہ زار و قطار رو رہی تھی۔

''تم نے میری زندگی برباد کر دی اسجد...... اور اب اس گناہ کے بوجھ کو میں دنیا والوں سے کیسے چھپاؤں گی؟ تم نے مجھے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا......'' سارہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

اسجد نے اسے کوئی تسلی کوئی دلاسا نہیں دیا تھا۔ بس وہ کچھ اور سوچ رہا تھا۔

''پلیز اسجد مجھ سے شادی کر لو...... پلیز مجھے اپنا لو...... اپنے اس بچے کو اپنا نام دے دو...... چاہے بعد میں مجھے چھوڑ دینا...... طلاق دے دینا مگر خدا کے لیے مجھے اس بدنامی سے بچا لو اسجد...... میرے گھر والے مر جائیں گے۔'' سارہ جنونی انداز میں اس کا بازو پکڑے اس سے التجائیں کر رہی تھی۔ اسجد نے اس کے گھر کی پچھلی سڑک پر گاڑی روک دی تھی۔

''میری ماں تم جیسی بدکردار لڑکی کو کبھی قبول نہیں کرے گی۔'' اس نے بڑے آرام سے اس کی تمام التجاؤں کا ایک ہی مختصر جواب دے کر اس کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی۔

''میں بدکردار نہیں تھی، ایک شریف باپ کی باحیا بیٹی تھی، میرے ایک غلط قدم نے تم جیسے لٹیرے کو میری عزت اور کردار کو داغدار کرنے کا موقع دیا اور پھر میں تمہارے جال میں پھنستی چلی گئی۔''

''فی الحال میں تمہاری فضول باتیں سننے کے موڈ میں نہیں ہوں...... میں ایک دو دن میں گل افشاں (نرس) سے بات کر کے تمہیں بتا دوں گا...... تم فکر مت کرنا ہم جلد ہی اس پریشانی سے چھٹکارا حاصل کر لیں گے۔'' اسجد رکھی سے انداز میں اسے تسلی دے کر چلا گیا تھا۔ سارہ کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ گھر جانے کے بجائے یہیں سڑک کے بیچ کھڑی ہو کر کسی گاڑی کے نیچے آ جائے مگر گناہوں کے ڈر سے اسے موت سے بھی خوف آنے لگتا تھا۔ کاش اس کی

زندگی کا ریموٹ کنٹرول اس کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ اپنی زندگی کو فوراً ریورس کر لیتی مگر ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔ ہم جس وقت کو اپنی نادانیوں، اپنے تکبر یا ہنسی مذاق میں اپنے پیروں تلے روند کر گزر جاتے ہیں، کبھی، کبھی وہ ہی وقت ہمارے پیروں تلے سے زمین کھینچ لیتا ہے۔

☆☆☆

اگلے دن سیما بیگم اور زویا کو خضر کے ساتھ تھانے جانا تھا انہیں گلو سے ملاقات کرنا تھی وہ کافی دیر سے خضر کے آنے کا انتظار کر رہی تھیں مگر جب کافی دیر گزر جانے کے باوجود وہ نہ آیا تو زویا نے اس کا نمبر ملایا۔

"ہیلو خضر کہاں ہو تم......؟ ہم کافی دیر سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" زویا نے اس کی آواز سنتے ہی خضر سے سوال کیا......زویا کے پاس بیلنس بھی کم تھا۔

"ہاں وہ زویا......تم اور مامی خود ہی چلی جاؤ......امی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی، ان کا بی پی شوٹ کر گیا تھا میں ان کا چیک اپ کرواتے کلینک لایا ہوں۔"

خضر نے زویا سے جھوٹ بولا تھا......نجمہ بیگم نے خضر کو ان تھانے کچہری کے معاملات سے دور رہنے کا سختی سے حکم دے رکھا تھا تاکہ خالد کی طرح اسے بھی گلو کے معاملے میں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔

زویا اور سیما بیگم خود بھی جب گلو سے ملاقات کے لیے تھانے پہنچیں تو پولیس والوں نے گلو کو مار، مار کر اس کا حلیہ بگاڑ رکھا تھا......ماں اور بہن کو اپنے سامنے دیکھ کر گلو گڑگڑاتے ہوئے ان سے معافیاں مانگنے لگا......سیما بیگم بیٹے کی حالت دیکھ کر تڑپ اٹھیں۔ زویا کا دل بھی کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔ گلو جیسا بھی تھا......تھا تو اس کا بھائی ہی ناں......

"اماں تجھے خدا کا واسطہ کسی طرح مجھے یہاں سے نکالو ورنہ یہ لوگ مجھ پر تشدد کر، کر کے مجھے جان سے ماردیں گے۔" وہ بلک رہا تھا۔

"زویا......زویا خدایا مجھے اس جہنم سے نکالو......قسم لے لو میں نے گارڈ پہ گولی نہیں چلائی......ٹیپو نے اس پر فائر کیے تھے......میں صرف ڈکیتی میں ان کے ساتھ تھا۔ میں نے گارڈ کو قتل نہیں کیا......پولیس والے گارڈ کا قتل بھی میرے سر ڈال رہے ہیں......مجھے بچا لو......میں نے اپنے اور تم سب کے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے......خدا کے لیے مجھے معاف کر دو۔" گلو جیل کی سلاخوں کے پیچھے کھڑا ہاتھ جوڑے گڑگڑا رہا تھا، معافیاں مانگ رہا تھا اور التجائیں کر رہا تھا۔

"اماں......اماں کچھ بول ناں......تو چپ کیوں ہے؟ زویا......خدا کے لیے مجھے معاف کر دے......ایک بار، صرف ایک بار مجھے اس جہنم سے نکال دے......ابا کی قسم ساری زندگی ایسے غلط کام نہیں کروں گا......" گلو کسی بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کے ساتھ، ساتھ سیما بیگم اور زویا بھی رو رہی تھیں۔

"گلو یہ تو نے کیا کر دیا؟ اپنے باپ کی عزت کو مٹی میں ملا دیا۔ ہمیں کسی کو منہ دکھانے کے قابل تک نہیں چھوڑا تو نے......" سیما بیگم سلاخوں سے اپنا سر ٹکراتے ہوئے بین کر رہی تھیں۔

"گلو میں تین لاکھ کہاں سے لاؤں......؟ ہمارے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں۔ پورے محلے نے ہمارا بائیکاٹ کر رکھا ہے......مالک مکان نے اس مہینے مکان خالی کر دینے کا نوٹس دے دیا ہے......تمہارے ان غلط کرتوتوں نے ہر طرف سے ہماری زندگی کے گرد گھیرا تنگ کر دیا ہے......مجھے تو کوئی صورت نظر نہیں آرہی......" زویا نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"زویا تم......تم خضر بھائی سے کہو ناں......ہمیں کہیں سے دو تین لاکھ روپے کا بندوبست کر دیں۔"

گلو نے سیما بیگم اور زویا کو ایک نیا راستہ دکھایا۔

''اتنی بڑی رقم خضر کہاں سے لائے گا؟'' زویا پریشان ہوئی۔

''کسی سے ادھار لا دیں...... میں باہر آ کر محنت کر کے آہستہ، آہستہ وہ قرض اتار دوں گا۔''

''گلو آج کل کے دور میں کوئی مانگنے سے تین ہزار نہیں دیتا...... خضر تین لاکھ کا بندوبست کہاں سے کرے گا؟'' زویا بے حد پریشان تھی۔

''زویا...... گلو ٹھیک کہہ رہا ہے...... خضر سے کہو وہ کہیں سے ہمیں ادھار مانگ دے ہم آہستہ، آہستہ وہ رقم واپس لوٹا دیں گے...... خضر ہمارا ہونے والا داماد ہے، وہ کیا ہمارے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتا......؟'' ممتا نے سیما بیگم کو ایک بار پھر مطلب پرست بنا دیا تھا۔

''مگر اماں آپ......'' زویا زچ ہوئی۔

''زویا خدا کے لیے یہ اگر مگر چھوڑو اور کسی طرح سے مجھے یہاں سے نکالو...... پولیس والے مجھ پر تشدد کر کے مجھے گارڈ کو قتل کرنے کا اقبالِ جرم کروانا چاہتے ہیں...... یہ مجھے ایک چور اور ڈکیت سے قاتل بنا دیں گے، مجھے چھوٹے مجرم سے بڑا مجرم بنا دیں گے۔'' گلو ایک بار پھر رونے لگا تھا۔ اس کے چہرے اور پورے جسم پہ جابجا نیل پڑے ہوئے تھے اس کے ہونٹ پھٹے ہوئے تھے اور ایک آنکھ بھی سوجی ہوئی تھی۔

''گلو تین لاکھ بہت بڑی رقم ہے۔ شاید اتنی بڑی رقم کا بندوبست نہ ہو سکے۔'' زویا از حد پریشان تھی اس کا ذہن بری طرح سے الجھا ہوا تھا۔

"زویا مایوسی کی باتیں نہ کرو..... کسی طرح سے بھی ایک بار صرف ایک بار مجھے اس جہنم سے نکال دو..... میں..... میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا....." وہ بدستور گڑگڑا رہا تھا۔

"گلو تو پریشان نہ ہو میرے بچے..... ہم تجھے یہاں سے نکال لیں گے۔" سیما بیگم نے دوپٹے سے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے بیٹے کو تسلی دی۔

"بس بی بی ملاقات کا وقت ختم ہو گیا ہے....." کانسٹیبل نے آواز لگائی۔

"اماں تو، تو ماں ہے میری..... تیرا بیٹا یہاں مر جائے گا..... اگر مجھے زندہ دیکھنا چاہتی ہے تو ایس ایچ او کی بات مان لو..... قرض لے لو اور مجھے بچالو....." گلو، سیما بیگم کے ہاتھ پکڑ کر انہیں ایموشنل بلیک میل کرنے لگا۔

"تو پریشان نہ ہو گلو..... ہم کوئی نہ کوئی بندوبست کرلیں گے۔" سیما بیگم نے جیل کی سلاخوں میں ہاتھ ڈال کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا، اسے تسلی دی۔

"بی بی تجھے صاحب بلا رہے ہیں....." کانسٹیبل نے ان دونوں سے کہا اور وہ دونوں کانسٹیبل کی معیت میں ایس ایچ او کے کمرے کی جانب چل پڑیں۔

"السلام علیکم.....!" کمرے میں داخل ہوتے ہی سیما بیگم نے کرسی پر بیٹھے اس موٹے پچاس پچپن سالہ شخص کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام....." موٹے سے مکروہ چہرے والے ایس ایچ او نے اپنی بڑی، بڑی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے سیما بیگم کے ساتھ پریشان حال زویا کو بڑی گہری اور غلیظ نظروں سے سر تا پاؤں دیکھتے ہوئے سلام کا جواب دیا۔

"ہاں بھئی اپنے ڈکیت بیٹے سے ملاقات ہو گئی؟"

"جی جی ہو گئی ہے..... صاحب ہم بڑے غریب لوگ ہیں، آپ کو دینے کے لیے ہمارے پاس ایک پھوٹی کوڑی تک نہیں ہے۔ خدا کے لیے صاحب میرے بیٹے کو چھوڑ دیں....." سیما بیگم ایک بار پھر جذباتی ہو کر رونے لگیں..... زویا کو عجیب سی شرمندگی ہو رہی تھی۔

"کون کہتا ہے تو غریب عورت ہے، سر عام تو تُو اپنے ساتھ ہیرا لیے پھر رہی ہے۔" ایس ایچ او نے زویا کو مسلسل تاڑتے ہوئے جواب دیا۔

زویا اپنی جگہ جزبزسی ہو رہی تھی..... اس نے اپنے سر پر لیا ہوا دوپٹا مزید سر پر کھسکایا۔

"صاحب تین لاکھ بہت بڑی رقم ہے..... میں ایک بیوہ عورت ہوں..... گلو میرا واحد سہارا ہے۔ میں اتنی بڑی رقم کا بندوبست کیسے کروں گی؟" ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر سیما بیگم اس سرکاری کرسی پر بیٹھے موٹے غلیظ شخص سے التجائیں کر رہی تھیں..... اور زویا وہ تو جیسے زمین میں دھنستی جارہی تھی۔

"او بی بی تیرا بیٹا مجرم ہے..... بتاشے بانٹتا نہیں پکڑا ہم نے..... تیرا بیٹا راستے میں کھڑا ہو کر لوگوں کو لوٹتا ہے..... ڈکیتیاں کرتا ہے، بینک لوٹا ہے اس نے..... قتل میں ملوث ہے..... کوئی مذاق نہیں..... جتنا بڑا جرم اتنی ہی بڑی قیمت..... یہ میرا اصول ہے....." ایس ایچ او نے اکڑ اور تکبر کے انداز میں وضاحت کی اور پھر اپنی گندی نظروں سے زویا کا پوسٹ مارٹم کرتے ہوئے ریوالونگ چیئر گھماتے ہوئے بولا۔

"ویسے یہ لڑکی کون ہے..... کیا لگتی ہے تیری؟" نگاہیں اب بھی زویا پر مرکوز تھیں مگر سوال شدید پریشانی میں مبتلا سیما بیگم سے کیا گیا تھا۔

زویا کا جی چاہ رہا تھا وہ میز پر پڑا پیپر ویٹ اٹھا کر اس پولیس والے کے سر پر دے مارے جو مسلسل اپنی نگاہوں سے اسے ہراساں کر رہا تھا..... آج تک تھانے کچہری کا انہوں نے صرف نام ہی سن رکھا تھا، آج گلو کے

غلط کاموں نے انہیں تھانے کا دیدار بھی کروا دیا تھا اور پولیس والوں کا مکروہ چہرہ بھی دکھا دیا تھا۔

"جج...... جی یہ میری بیٹی ہے۔"

"شادی شدہ ہے یا کنواری......؟" ایک بار پھر مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے سوال کیا گیا...... زویا کو شدید غصہ آنے لگا...... مگر وہ مجبور تھی، نہ بول سکتی تھی نہ اس پولیس والے کی بے عزتی کر سکتی تھی۔

"جی غیر شادی شدہ ہے۔" سیما بیگم کو بھی زویا کے حوالے سے اس طرح کے سوال جواب بالکل غیر مناسب لگ رہے تھے۔

"مجھے رشتہ دے دو اس لڑکی کا...... تیرے بیٹے کو تین لاکھ لیے بغیر چھوڑ دوں گا......" موٹی توند والے پولیس افسر نے زویا کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر آفر کی...... تو حیرت سے سیما بیگم نے اس پولیس والے کو دیکھا...... اور زویا کے تو تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔

"اماں چلو یہاں سے...... یہ پولیس والے تو ہوتے ہی گھٹیا ہیں...... ان کے گھر میں مائیں بہنیں نہیں ہوتیں......" زویا غصے میں دہاڑی تھی۔

"سچ کہا ہے کسی نے خاموش جھیل میں بھی اکثر طوفان چھپے ہوتے ہیں۔ لڑکی تو بڑی جی دار ہے...... ایک پولیس والے کے سامنے پولیس والوں کو برا کہہ رہی ہے؟ جانتی ہو اس بدتمیزی کی سزا کیا ہو سکتی ہے تم لوگوں کے لیے؟" ایس ایچ او نے رعب جھاڑا...... سیما بیگم نے زویا کا ہاتھ تھام کر دباتے ہوئے اسے چپ رہنے کو کہا۔

"تم ہمیں کیا سزا دو گے؟ سزا تو تم جیسے لوگوں کو وہ اوپر والا ہی دے گا جو ہم جیسوں کی مجبوریوں کی اتنی آسانی سے قیمت لگا لیتے ہو۔" زویا اپنی بات مکمل کرنے کے بعد ایس ایچ او کے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

"صاحب میں معافی چاہتی ہوں...... میری بیٹی نے آپ سے بدتمیزی کی۔" سیما بیگم شرمندہ انداز میں اس پولیس والے سے معافی مانگنے لگیں۔

"بڑی لمبی زبان ہے، بھئی تیری بیٹی کی۔"

"معاف کر دیں صاحب...... اپنی بیٹی کی طرف سے میں معافی مانگتی ہوں۔"

"دل آ گیا ہے میرا...... تیری اس بدزبان بیٹی پہ...... نکاح پڑھوا دے مجھ سے...... چھوڑ دوں گا تیرے بیٹے کو۔" ایس ایچ او نے ایک بار پھر وہی آفر کی۔

"بس...... سوچ کر بتاؤں گی صاحب! اتنی جلدی ایسے فیصلے نہیں ہوا کرتے......"

"سوچ لے...... تجھے سوچنے کے لیے ایک ہفتہ دیتا ہوں...... سودا گھاٹے کا نہیں...... اِدھر تو بیٹی کا نکاح پڑھوائے گی اُدھر تیرا بیٹا گھر پہنچ جائے گا...... ورنہ ایسے ایسے کیسوں میں الجھاؤں گا تیرے بیٹے کو کہ ساری زندگی جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہی گل سڑ کر مر جائے گا۔" ایس ایچ او نے اٹھ کر ٹیبل پہ ہاتھ رکھے اور آگے کو جھک کر سیما بیگم کو واضح دھمکی دیتے ہوئے فیصلہ سنایا۔

سیما بیگم ایک نئے امتحان میں داخل ہو چکی تھیں ایک طرف ان کے اکلوتے بیٹے گلو کی زندگی تھی اور دوسری طرف ان کی بیٹی کی خوشیاں...... اب سیما بیگم کو دونوں میں سے کسی ایک کو چننا تھا۔

زندگی نے انہیں ایک اور کڑے امتحان میں ڈال دیا تھا۔

☆☆☆

خالد کو پولیس والوں نے بلا وجہ حراست میں لے رکھا تھا۔ گلو کے ساتھ ساتھ پولیس والوں نے خالد کو بھی تشدد کا نشانہ بنایا تھا...... ذارا الگ خالد کو پولیس کی حراست سے چھڑانے کے لیے سیما بیگم سے التجائیں کرتی

تھی......اس وقت سیما بیگم تین رشتوں میں پھنسی ہوئی تھیں......زویا نے گھر آتے ہی دوٹوک انداز میں ماں سے اس موٹے غلیظ اپنے باپ کی عمر کے ایس ایچ او سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا......وہ اس صورتِ حال کو خضر کے ساتھ ڈسکس کرنا چاہتی تھی مگر اس کا نمبر بھی بند جا رہا تھا اور اب خضر بھی ان کے گھر کم ہی آیا کرتا تھا۔

دوسری طرف سارہ قابلِ رحم حالت میں سارا دن بستر پر پڑی رہتی، سیما بیگم اب ہمہ وقت شاکر حسین کو یاد کر کے روتی رہتیں......ان کی ایک، ایک بات سچ ثابت ہو رہی تھی......ایک عجیب و غریب بے سکونی تھی، ذلت تھی جس نے ان کے گھر کا راستہ دیکھ لیا تھا۔

آج تیسرا دن تھا زویا صبح نوکری کے لیے نکلتی اور دھکے کھا کر شام کو گھر واپس آتی......کہیں وہ تعلیمی معیار پہ پوری نہ اترتی اور کہیں اپنی اچھی شکل صورت کی بدولت مرد اسے غلط قسم کی نظروں سے دیکھتے ہوئے کچھ اور ہی ڈیمانڈ کر دیتے......سفارش اس کے پاس نہیں تھی۔ گھر کے حالات اتنے خراب تھے کہ زویا کو اپنی سابقہ کولیگ ٹیچر....دوست سے تین ہزار ادھار لینا پڑے۔

آج بھی زویا مایوسی کے عالم میں گھر میں داخل ہوئی تو صحن میں سیما بیگم اور زارا کو روتے ہوئے پایا...... قریب ہی برآمدے میں زارا کی تینوں بچیاں پریشانی کے عالم میں ایک ساتھ جڑ کر بیٹھی تھیں۔

"زویا خالہ پولیس والوں نے گلو ماموں کو مارا، مار کر ان کا بازو توڑ دیا ہے۔ انہوں نے میرے ابو جی کو بھی بہت مارا ہے، آج نانی......میں اور امی تھانے گئے تھے، ابو اور گلو ماموں سے ملنے۔" زارا کی سب سے بڑی نو سالہ بیٹی نمرہ نے آگے بڑھ کر زویا کو اطلاع دی اور وہ پریشانی سے وہیں چارپائی کے قریب رکھے موڑھے پر بیٹھ گئی۔

"اماں یہ نمرہ کیا کہہ رہی ہے؟"

"سچ کہہ رہی ہے اور یہ سب تیرے انکار کی وجہ سے ہوا ہے۔" سیما بیگم کے انداز میں زویا کے لیے بے پناہ شکوے تھے۔

"زویا میری بہن......دیکھ ضد نہ کر......ہمیں اس عذاب سے نکال دے۔ خدا کے لیے اس رشتے کو قبول کر لے......گلو اور خالد کو بچا لے ورنہ ہم برباد ہو جائیں گے زویا......ہمیں بچا لے......" زارا اب زویا کے آگے ہاتھ جوڑ کر رو رہی تھی، گڑگڑا رہی تھی۔ سیما بیگم ایک بار پھر رونے لگی تھیں......زویا اپنی جگہ پر حیرت سے بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو خود بخود بہہ رہے تھے......اور وہ سوچ رہی تھی کہ اپنی جان پہ بنے تو یہ رشتے بھی چند لمحوں کو کتنے خود غرض ہو جاتے ہیں۔ اپنے باپ کی عمر کے رنڈوے غلیظ آدمی جسے دیکھ کر ہی اسے گھن آ رہی تھی وہ اپنے چھوٹے بھائی اور بہنوئی کی خاطر اس سے نکاح کیسے کر لیتی؟ بچپن سے اس کے دل پہ خضر کا نام رقم تھا وہ اپنے دل سے اس کا نام کیسے مٹا سکتی تھی؟ اس نے ہوش سنبھالا تھا تو خضر کے نام کی انگوٹھی پہن لی تھی، اس نے تو ہمیشہ سے صرف اس کے ساتھ کے سپنے دیکھے تھے، وہ ان سپنوں سے کیسے جان چھڑا سکتی تھی......خضر اس کی پہلی اور آخری محبت تھا......وہ اپنی محبت کا گلا کیسے گھونٹ دیتی؟

"زارا بجو مجھ سے اتنی بڑی قربانی نہ مانگیں......میں انسان ہوں کوئی فرشتہ نہیں......میرے اس گوشت کے وجود میں دل بھی تو ہے وہ بھی کسی کے لیے دھڑکتا ہے......وہ بھی کئی خواہشیں رکھتا ہے۔" زویا بات کرتے، کرتے اب باقاعدہ رو رہی تھی......اندر کمرے میں بیٹھی سارہ باہر ہونے والی تمام گفتگو سے انتہائی دل گرفتہ ہو رہی تھی اسے ایسے لگ رہا تھا جیسے کوئی آری سے اس کے تن بدن کو چیر رہا ہو۔

(جاری ہے)